© rasailojaraid.com

بحث ونظر

عصر حاضر میں اجتہاد کی معنویت اور نوعیت

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

جہاد اور اجتہاد اسلامی شریعت کی یہ دو معروف اصطلاحیں امت مسلمہ کی ان فکری اور عملی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو دنیائے انسانیت کی رہنمائی اور تعمیر و ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں۔ نیز یہ ان ذمہ داریوں کا احساس بھی دلاتی ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق اور امت کے بقاء وارتقاء کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کا دور کرنا امت کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں فریضے تعبدی فرائض کی طرح بحیثیت مجموعی اس امت کو تاقیامت سونپے گئے ہیں۔

اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت دائمی، ہمہ گیر اور عالمگیر ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ہر زمانہ اور ماحول کی رہنمائی کرنے، ان کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے اور ان کے قالب میں روح شریعت کو جاری وساری کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ زمانہ کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ بلکہ اس کا سفر جاری رہتا ہے۔ مادی تجربات، علمی تحقیقات، معاشی و معاشرتی ضروریات اور تمدنی ترقیات کی وجہ سے تغیر و تبدل کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنے والا دن پچھلے دنوں سے مختلف اور نت نئے مسائل کا حامل ہوتا ہے جس کے اثرات اور تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ شریعت اسلامیہ ان پر قابو پا سکتی ہے تو اس کی واحد شکل اجتہاد ہے۔ اسی ذریعہ سے نبض انسانی کی حرکت و حرارت کو محسوس کر سکتی ہے اور اس کے لیے نسخۂ شفا تجویز کر سکتی ہے۔ گویا اجتہاد اسلامی شریعت کا حرکی تصور عطا کرتا ہے اور یہی اس کے بقائے دوام کا راز ہے۔

ہمارے عہد میں اجتہاد کے دائرۂ عمل کو متعین کرنے والی چار چیزیں ہیں جن میں سے بعض پر گفتگو ہوتی رہی ہے اور بعض کو امت کے ایک طبقہ نے شجر ممنوعہ کی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے دی ہے - وہ چار چیزیں حسب ذیل ہیں۔

١- ہم اپنے فقہی اصولوں اور مصادر کا از سر نو جائزہ لیں ان کو شریعت کے عام تقاضوں کی روشنی میں دیکھیں اور ان کی تفہیم جدید کریں۔

٢- مذاہب اربعہ کے فقہی سرمایہ پر تحقیقی نظر ڈالیں اور حالات و زمانہ کی رعایت کے ساتھ مقاصد شریعت کی روشنی میں ترجیح وانتخاب کا معاملہ کریں۔

٣- ماضی کے اصولوں اور حکموں سے جدید مسائل میں نظیریں اور مثالیں تلاش کریں اور ان کی مدد سے نئے مسائل کی گرہیں کھولیں۔

٤- نئے مسائل و مشکلات کا حل شرعی مقاصد اور مصالح عامہ کی روشنی میں اجتہادی بصیرت کے ساتھ تلاش کریں۔

مگر آگے بڑھنے سے پہلے اس سوال پر غور کرنا ضروری ہے کہ فقہی مصادر اور قواعد شریعت پر از سر نو نگاہ ڈالنے اور نصوص شرعیہ کی تفہیم وتشریح جدید کی گنجائش موجود ہے۔ اور ہے تو کہاں تک اس کی اجازت ہے؟ اس سوال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بہت سے قدیم و جدید فقہاء اور علماء کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہے۔ اب کوئی بھی شخص، مجتہد منتسب، یا مجتہد فی المذہب تو ہو سکتا ہے۔ مگر مجتہد مطلق اور مستقل نہیں ہو سکتا، یعنی وہ کسی امام کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں اجتہاد تو کر سکتا ہے یا اس کے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے نئے مسائل کا استنباط کر سکتا ہے۔ مگر قواعد واصول کا استنباط واستخراج نہیں کر سکتا۔

چنانچہ اکثر حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء کا یہی خیال ہے۔ ان کے نزدیک چوتھی صدی ہجری میں اسلامی اصول اور فقہی قواعد وضوابط کی تدوین، نصوص سے نئے احکام کا استنباط اور ان کے دلائل کی تعیین کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور اب کسی مجتہد کی ضرورت باقی نہ رہی۔ موجودہ حالات میں اجتہاد کا جاری رہنا فکری انتشار اور علمی بے راہ روی کا باعث ہوگا اور ہر کس وناکس اس کا دعوے دار بن جائے گا اور اس سے روح شریعت متاثر و مجروح ہوگی۔

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب لکھتے ہیں کہ "جس قدر اصول وقواعد شریعت کے تھے وہ سب ائمہ مجتہدین بیان کر چکے انھوں نے کوئی قاعدہ چھوڑ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا۔ دوسرے ان کے بعد اگر کسی نے مستنبط اصول کیے بھی تو وہ مستحکم نہیں ہیں۔ کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد فی الاصول کے لیے دماغ قابل ہی نہیں، یہ حضرات مجتہدین ہی کا خاصہ تھا کہ انھوں نے نصوص سے اس خوبی سے اصول مستنبط کیے جو کہیں نہیں ٹوٹ سکتے ہیں[1]

لیکن حنبلی، ظاہری اور جعفری فقہ میں اجتہاد مطلق کا دروازہ کھلا ہے اور ہمیشہ کھلا رہے گا، ان کے اس استدلال میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا ہے تو یہ بند بھی اسی کے حکم سے ہو سکتا ہے کسی اور انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کھولے ہوئے دروازے کو بند کردے۔

چنانچہ علامہ شوکانیؒ اجتہاد پر پابندی کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر اجتہاد کا دروازہ اس لیے بند کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پچھلے ائمہ مجتہدین کو کمال فہم قوت ادراک اور معرفت کی استعداد کی جو فضیلت عطا کی تھی وہ بعد کے لوگوں کو عطا نہیں کی، تو یہ دعویٰ باطل ہے بلکہ سب سے بڑی جہالت ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اجتہاد پر پابندی اس لیے لگائی گئی کہ پچھلے مجتہدین کے لیے اجتہاد کرنا آسان تھا اور بعد کے لوگوں کے لیے مشکل ہے تو یہ دعویٰ بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کو ذرا بھی سمجھ ہے وہ اس بات سے واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین کے لیے اجتہاد کرنا جتنا آسان کردیا ہے، متقدمین کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ کیونکہ اب کتاب اللہ کی تفسیر مدوّن ہو چکی ہے اور اس کی تعداد بے شمار ہے۔ سنت رسول مدوّن ہو چکی ہے اور امت نے تشریح و تخریج، تصحیح اور ترجیح جیسے موضوعات پر اتنا کلام کیا ہے کہ وہ مجتہد کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ پہلے اسلاف کو ایک حدیث کے لیے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ (اب اس زحمت کی ضرورت نہیں) اس لیے متاخرین کے لیے اجتہاد کرنا متقدمین کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔"[2]

---

[1] اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ ص ۱۷

[2] محمد بن علی الشوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۳۶ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۷ھ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام غزالی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ :-

انما یحصل منصب الاجتہاد	ہمارے زمانہ میں مشق و ممارست
فی زماننا بممارسة فهو طریق	سے منصبِ اجتہاد حاصل کیا جا سکتا
تحصیل الدربة فی هذا الزمان	ہے۔ گویا یہ اس زمانہ میں تجربہ اور مہارت
ولم یکن الطریق فی زمان الصحابة	حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جبکہ صحابہ کے
ذلك ویمکن الان سلوك طریق	زمانہ میں ایسا نہ تھا۔ ویسے آج کل صحابہ
الصحابة ایضا"[۱]	کا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

منکرین و مثبتین اجتہاد کے دلائل کا بتفصیل جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ اجتہاد کے امکان و جواز کا نہیں بلکہ وقوع، اہلیت اور صلاحیت کا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اجتہادِ مطلق کا انکار کرتے ہیں وہ یہ بات مانتے ہیں کہ مجتہد اب بھی ہو سکتے ہیں مگر ہوئے نہیں[۲] اور جو حضرات اجتہاد کے اثبات کے قائل ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی عہد مجتہد سے خالی بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ احمد بن زیدان حنبلی ۶۹۵ھ اپنے عہد کے متعلق کہتے ہیں۔

ومن زمن طویل عدم	زمانہ طویل سے مجتہد مطلق کا فقدان
المجتهد المطلق مع انه	ہے باوجودیکہ پہلے زمانہ کے مقابلہ میں
الان ایسر منه فی الزمن	اس وقت اجتہاد زیادہ آسان ہے
الاول لان الحدیث والفقه	کیونکہ حدیث و فقہ مدون ہو چکے ہیں
قد دوّنا وكذا ما یتعلق	اسی طرح اجتہاد سے متعلق چیزیں
بالاجتهاد من الآیات و	آیات، آثار اصول فقہ اور عربی زبان
الآثار واصول الفقه والعربیة	کے قواعد سب کچھ مدون و مرتب ہیں
وغیر ذلك لكن الهمم قاصرة	مگر ہمتیں کوتاہ، خواہشیں ختم اور کوشش
والرغبات فاترة ونار الجد والحذر	و احتیاط کی آگ بجھ چکی ہے۔
خامدة[۳]	

---

[۱] المستصفی ۲/۳۵۳، بولاق [۲] اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ ص۲۰

[۳] احمد بن حمدان حنبلی، صفۃ الفتوی والمفتی والمستفتی ص۱۷، دمشق ۱۳۸۰ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اگر یہ قابل تسلیم ہے کہ اجتہاد کا امکان ختم نہیں ہوا بلکہ مسئلہ صرف اہلیت کا ہے تو اہلیت وصلاحیت کا امکان بھی بند نہیں کیونکہ اللہ کی شریعت اور رحمت بانجھ نہیں ہے بلکہ تاقیامت جاری وساری ہے ۔

اجتہاد کا دربند کردینے کا یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ انتشار واضطراب اور علمی پریشان خیالی سے فقہی سرمایہ کو بچالیا گیا اور ہر بوالہوس کو حسن پرستی شعار کرنے کی اجازت نہ دی گئی ۔ مگر اس سے یہ نقصان بھی ہوا کہ اجتہاد کی امکانی صلاحیتیں کند ہوگئیں ۔ اجتہادی قوتیں ٹھٹھر کر رہ گئیں اور مصادر شریعت پر غور وفکر اور ان کو مسائل، مشکلات اور معاملات کا مستدل بنانے کے بجائے فقہاء کی آراء اور تفریعات بلکہ متاخرین علماء فقہ کے ارشادات کو بھی استخراج واستنباط مسائل کی اساس بنالیا گیا اور ایک ایسا رجحان پرورش پانے لگا جس سے عملاً قرآن وسنت کی حیثیت ثانوی اور فقہاء کے ارشادات کی حیثیت اولین ہوگئی گو کہ اعتقادی طور پر بنیادی اہمیت قرآن وسنت ہی کو حاصل رہی ۔

اگر یہ اصول مسلمہ ہے کہ عرف وزمانہ اور ماحول کی تبدیلی فتویٰ اور استنباط مسائل کی تبدیلی کا موجب ہوتی ہے تو فقہاء کبار وصغار کی جزئیات کو اساسی حیثیت دینا اور ماخذ کی جگہ لے آنا صحت مند علمی رویہ نہیں بلکہ خلاف انصاف ہے ۔

چنانچہ ایسے ہی رویہ اور رجحان کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے احتجاج کرتے ہوئے اپنے ہم عصر علماء اور اصحاب فقہ سے کہا تھا، "تم لوگ پچھلے فقہاء کے استحسان اور تفریعات میں ڈوب گئے ۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو؟ تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مسلک پر ہے نہ کہ حدیث پر، پھر وہ یہ حیلہ پیش کرتا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین وماہرین کا کام ہے اور یہ حدیث ائمہ سلف سے چھپی تو نہ رہی ہوگی پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انھوں نے اسے ترک کردیا ۔ جان لو! یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے اور اگر تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف" [۱]

---

[۱] التفہیمات الالٰہیہ ۱/۲۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی لیے امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

لا یحل لاحد ان یفتی	کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے
لقولنا حتی یعلم من	قول پر فتویٰ دے جب تک وہ یہ نہ جانے
این قلنا[1]	کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

اب جب کہ قواعد فقہیہ پر ناقدانہ نظر ڈالنے اور نصوص کا ازسرنو جائزہ لینے کی گنجائش موجود ہے تو بشرط اہلیت وصلاحیت، مجتہد کے لیے قرآن وحدیث اجماع، قیاس اور عرف سبھی سے احتیاط اور معروضیت کے ساتھ براہ راست استفادہ ناگزیر ہوگا جس کی حسب ذیل شکلیں ہیں۔

۱۔ قرآن کے مدلولات کی ازسرنو تفہیم وتحقیق، یعنی قرآن میں غور وتدبر اور اس سے استفادہ اس طرح کیا جائے کہ سنت رسولؐ اور آثار صحابہؓ کو تابعین وتبع تابعین اور متاخرین کے اقوال واجتہادات سے جدا کیا جائے اور مابعد کے اجتہادات کو نص صریح کا مدلول ومفہوم قرار دیتے وقت خود قرآن وسنت اور روح شریعت کے عام تقاضے کو اہمیت دی جائے۔ بعض فقہی مسائل واحکام ایسے بھی ہیں جن کا ماخذ نص صریح تو ہے مگر اس سے مستنبط ہونے والا حکم اس کے مزاج وتقاضوں سے فروتر محسوس ہوتا ہے مثال کے طور پر فقہاء کرام کا مسلک یہ ہے کہ جزیہ ادا کرتے وقت ذمی کی توہین وتذلیل واجب ہے اور وہ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ	یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ
يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (توبہ: ۲۹)	دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

مگر غور کیجیے تو یہ اخذ کردہ نتیجہ اور مفہوم خود قرآن ہی کی آیت:۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا۔
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ	کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ	کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ
تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ	میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں
(الممتحنہ: ۸)	تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔

---

[1] حاشیہ البحر الرائق ۶/۲۶۹، دار الکتب العربیہ الکبری۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتا۔ آیت جزیہ میں ہر فرد ذمی کی تذلیل و توہین اور توبیخ مراد نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی اِن کا اسلام کے غلبہ کو مان لینا اسلامی حکم کے آگے جھک جانا اور اسلام کے سیاسی و سماجی اور معاشی و دینی تسلط کو تسلیم کر لینا مراد ہے اور اس حکم و مفہوم کی تائید بہت سے مفسرین کرام بھی کرتے ہیں اور اگر اس مفہوم کے مقابلے میں گذشتہ مفہوم پر اصرار کیا جائے تو اسلام کے نظام رحمت اور دائمی پیغام انسانیت کو ہرگز مجروح و مخدوش ہونے سے نہ بچایا جا سکے گا۔ بالخصوص ایسے عہد میں جب کہ حقوق انسانی کے آئینہ میں مذاہب کو دیکھا اور پرکھا جانے لگا ہو۔

۲۔ دوسری چیز ان احادیث کی از سر نو تخریج و تحقیق اور ترجیح ہے جو فقہی مسائل کی بنیاد ہیں۔ بہت سے فقہی مسائل ایسے موجود ہیں جن کی اساس ضعیف روایات پر ہے گو کہ وہ امت میں مقبول ہو چکی ہیں اور قواعد کی حیثیت بھی اختیار کر چکی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا از سر نو جائزہ لینا اور استخراج مسائل میں ان کی قوت و ضعف کا پورا پورا لحاظ رکھنا ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر "عربون" کے مسئلہ کو لیجئے، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اسے ناجائز قرار دیتے ہیں اور امام احمد بن حنبل اسے جائز کہتے ہیں۔ "عربون بیعانہ کو کہا جاتا ہے یعنی کوئی شخص سامان خریدنے کے لیے پیشگی کچھ رقم بیچنے والے کو دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر اس نے سامان خرید لیا تو یہ پیسہ قیمت میں محسوب ہو جائے گا ورنہ تمہارا ہو جائے گا۔ اس طرح وہ بیچنے والے کو پابند کر دیتا ہے کہ سامان کسی اور کو نہ بیچے۔

ائمہ ثلاثہ کا مستدل وہ روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربون سے منع فرمایا ہے یہ روایت مؤطا امام مالک، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں آئی ہے۔ مگر جیسا کہ امام نووی نے المجموع میں صراحت کی ہے اس روایت کے تمام طرق میں ضعف پایا جاتا ہے۔

دوسری طرف مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز فرمایا ہے۔ مگر اس روایت میں بھی ضعف ہے تو جب عربون کی حلت و حرمت دونوں طرف کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے تو پھر کیوں نہ مصالحہ عامہ کو دیکھتے ہوئے تعیین وقت کا اضافہ کر کے امام احمد کی رائے کو ائمہ ثلاثہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے پر ترجیح دی جائے۔ اسی طرح ان تمام روایات پر غور کیا جا سکتا ہے جس سے فقہی احکام تو مستنبط کیے گئے ہیں مگر فی نفسہٖ ضعیف ہیں، مثلاً حسب ذیل حدیثیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع وشرط۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔
لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ۔	مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے۔
لا یجتمع عشر وخراج	عشر وخراج ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔
نہی عن قفیز الطحان	آپؐ نے قفیز الطحان سے منع فرمایا ہے۔ (یعنی آٹے سے پسائی کی اجرت دینا)
لا وصیۃ لوارث	وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔
ھو الطھور ماءہ والحل میتتہ۔	سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مرا ہوا حلال ہے۔
اذا اختلف المتبایعان فی الثمن والسلعۃ قائمۃ تحالفا وترادا البیع	جب بیچنے اور خریدنے والے کا قیمت اور سامان کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو دونوں سے قسم لے لی جائے اور بیع ختم کر دی جائے۔
الدیۃ علی العاقلۃ [1]	دیت عاقلہ پر ہے۔

حدیث کی قوت وضعف کو سامنے رکھ کر مسائل پر از سر نو غور وفکر کرنے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مسائل کی شکل وصورت سے زیادہ ان کی ضرورت اور غایت کو سامنے رکھا جائے اور اسی لحاظ سے حدیث کی تفہیم وتشریح کی جائے بالخصوص ایسی احادیث کے سلسلہ میں جن کے مفاہیم میں ایک سے زیادہ پہلوؤں کی گنجائش ہے۔ بہت سی احادیث اگرچہ صحیح ہیں مگر ان کے مفاہیم ومدلولات میں وسعت ہے، فقہی اصطلاح میں وہ قطعی الثبوت تو ہیں مگر قطعی الدلالت نہیں ہیں۔ ایسی روایات سے مسائل کا استنباط کرتے وقت مقصد اور غرض وغایت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر برصغیر ہند وپاک کے اصحاب فقہ وافتاء کی داڑھی کے مقدار کے سلسلے

---

[1] ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین ۱/۱۷۶، شریعۃ الاسلام ص ۱۷۷-۳۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلسلے میں دو رائیں ہیں۔ اہل حدیث حضرات کے نزدیک داڑھی کی تراش خراش مطلق درست نہیں اور اکثر حنفی حضرات یک مشت سے کم رکھنے کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ کم رکھنے والوں کو بے ریش حضرات کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں اور ان کی امامت کو درست قرار نہیں دیتے۔ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں تراشنے اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے مگر داڑھی کہاں تک بڑھائی جائے اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی ہے۔

آثار صحابہ سے داڑھی کی تراش خراش ثابت ہے اسی طرح ایک مٹھی کی مقدار بھی مبہم ہے اس کی ناپ کہاں سے ہو یہ قیاسی ہے، لہٰذا مطلق چھوڑ دینے یا ایک مٹھی رکھنے پر اصرار کرنا اور اس سے کم کو فسق تک پہنچا دینا ہرگز حدیث کا مصداق نہیں۔

اسی لیے فقیہ اعظم ہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ "سچ تو یہ ہے کہ اس کی بابت وضاحت نہیں لیکن بعض صحابہ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس یکمشت داڑھی رکھتے تھے اور زائد کو تراش لیتے تھے۔ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کی داڑھی یکمشت سے کم تھی اور حضرات حسنین کی داڑھیاں لانبی تھیں"۔[۱]

تیسری چیز ان فقہی احکام کی تحقیق ہے جن کے متعلق اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے کیا واقعی اجماع موجود ہے یا صرف اجماع کی شہرت ہے؟ اس کی تحقیق ضروری ہے، بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق ہمارے فقہاء کرام آسانی سے اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ کم ہی مسائل ہیں جن پر اجماع کا ثبوت ملتا ہے، یہاں قابل غور بات صرف اجماع کا ثبوت ہی نہیں بلکہ اس اجماع کا دوام و استمرار بھی ہے کیونکہ بقول علامہ بزدوی ایسا اجماع جس کی بنیاد حالات و زمانہ کے مصالح پر ہو وہ دائمی نہیں ہو سکتا اس کے بالمقابل دوسرا اجماع ہو سکتا ہے دائمی اجماع صرف وہ مسائل ہیں جن کی بنیاد وقت و زمانہ کی مصلحت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں ان میں سے ایک مصرف تالیف قلب بھی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ	یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں

---

[۱] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۲۶، اردو ترجمہ محمد علی لطفی، کراچی سنہ ۱۹۶۰ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۶۰)

کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کو چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں، یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یعنی تالیف قلب کا مصرف اللہ تعالیٰ نے خود ہی مقرر فرمایا ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت میں صراحتاً موجود ہے، تاہم بعض فقہاء کرام بالخصوص بعض احناف کا یہ مسلک ہے کہ یہ مد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں باجماع صحابہ منسوخ یا ساقط ہوگئی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو مالدار کر دیا اور اسلام کو غالب کر دیا۔"

قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعی اسے منسوخ کر دیا یا ان کو اپنے عہد میں اس مد کا مستحق نظر نہیں آیا؟ یقیناً دوسری شکل زیادہ درست ہے۔ یعنی کوئی مستحق نہ رہا اور انھوں نے اس مد کی ضرورت محسوس نہ فرمائی نہ یہ کہ انھوں نے اس مد ہی کو ساقط کر دیا۔

اس لیے یہ دعویٰ کہ حضرت عمرؓ نے مولفۃ القلوب کی مد کو منسوخ فرمادیا، درست نہیں اور اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے اسے منسوخ کر دیا تو کیا یہ حق شارع کے علاوہ کسی انسان کو حاصل ہے کہ وہ قرآن کی کسی آیت یا اس کے کسی حکم کو منسوخ کر دے اور کیا یہ عقیدہ درست ہے؟ پھر اجماع کی یہ بنیادی شرط کیوں بھلادی جائے کہ اجماع اسی مسئلہ پر ہو سکتا ہے جس میں قرآن وسنت خاموش ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے نہ تو اسے منسوخ کیا نہ اس پر اجماع ہوا بلکہ اس مد کی ان کے عہد میں ضرورت نہ پیش آئی، گویا یہ مسئلہ نسخ کا نہیں بلکہ عدم احتیاج کا ہے۔ جیسا کہ انھوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح پر پابندی لگادی تھی۔ حالات وزمانہ کے بدلنے اور مسلمانوں کے مدوجزر کے ساتھ اس مد کی ضرورت باقی رہی اس لیے فقہاء کی بڑی تعداد اس کی قائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہی۔ خود امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مولفۃ قلوب کی مد منسوخ نہیں ہوئی بلکہ آج بھی باقی ہے اگر امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے[۱]۔ موجودہ دور میں ہندوستان کے حالات میں اس مد کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا تعلق اسلام کی دعوت واشاعت اور تبلیغ سے ہے اور اس مد کی ضرورت دوسرے مدوں سے کچھ کم نہیں چنانچہ جو حضرات غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں وہ اس کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔

۴۔ مسائل واحکام کی چوتھی قسم وہ ہے جس کی اساس قیاس واجتہاد اور تجربہ پر ہے۔ مروجہ معلومات اور خبر ونظر پر ہے اور اب علمی دریافت اور تحقیقی انکشاف نے اس کی کمزوری ظاہر کردی ہے ایسے مسائل پر بھی ناقدانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت فقہاء کرام کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو سال، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چار سال ہے۔ احناف حضرت عائشہؓ کے اس قول کو اپنا مستدل بناتے ہیں کہ عورت کو دو سال سے زیادہ حمل نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے جی سے یہ بات نہیں کہہ سکتیں اس لیئے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ امام مالک نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو بیان کر کے کہا کہ ہماری پڑوسن محمد بن عجلان کی بیوی تین مرتبہ حاملہ ہوئیں اور بارہ سال کی مدت لگی یعنی ہر حمل چار سال رہا اور دونوں میاں بیوی سچے ہیں۔ گویا امام مالک نے حضرت عائشہؓ کے قول کو حدیث مرفوع کا درجہ نہیں دیا۔ اس طرح یہ رائے واقعات ومعلومات اور خبر ونظر پر مبنی قرار پائی۔

ہمارے زمانے میں علم جنین کافی ترقی کر چکا ہے اور اس فن کے ماہرین اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ اتنی طویل مدت تک حمل برقرار رہ سکتا ہے لہٰذا ائمہ کرام کی ان رایوں کو مسائل شرعیہ کی اساس بنا کر احکام کی تفریع کرنے کے بجائے عہد جدید کی تحقیق ودریافت کو نظر میں رکھنا زیادہ ضروری ہوگا کیونکہ اس رائے کے پیچھے کوئی نص نہیں صرف تجربہ اور بیان ہے۔

اجتہادی مسائل میں بعض وہ احکام بھی ہیں جن کی اساس وقت وزمانہ کی مصلحت پر رکھی گئی ہے۔ چونکہ ہر عہد کے مصالح الگ ہو سکتے ہیں اس لیئے مصالح کی تبدیلی کے

---

[۱] بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۵ بیروت ۱۹۸۶ء ۳۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ احکام کی تبدیلی پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ مثلاً فقہا کرام صراحت کرتے ہیں کہ اہل ذمہ کو عام مسلمانوں سے الگ لباس اور نشان اختیار کرنا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیز نے ایسا ہی حکم دیا تھا تاکہ ان کی شناخت باقی رہے اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جائے اگر سفر میں ان کا اچانک انتقال ہوجائے تو پہچان نہ ہونے کے باعث نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں ان کی تدفین نہ کی جائے۔

بلاشبہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تمیز و شناخت کا یہ طریقہ شاید مناسب تھا مگر ہمارے عہد میں اس کے لیے شناختی کارڈ وغیرہ کا رواج عام ہوچکا ہے لہٰذا تمیز و شناخت اس سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ وضع قطع اور لباس کی تمیز کے ذریعہ شناخت برقرار رہنا بعض حالات میں اسلام کے مجموعی نظام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اجتہادی مسائل میں بعض ایسے احکام بھی ہیں جن کی اساس عرف اور ماحول کے رواج پر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز تغیر پذیر ہے۔ اس لیے ان پر مبنی احکام بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اس لحاظ سے ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر ایسے لوگوں کی گواہی کا مسئلہ جو راستہ میں کھاتے ہیں یا بے ریش ہیں، اس طرح کے بہت سے مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض مسائل کی طرف علامہ یوسف القرضاوی نے توجہ دی ہے[۱]

---

[۱] شریعۃ الاسلام، خلودہا وصلاحہا للتطبیق فی کل زمان ومکان، المکتب الاسلامی، دمشق۔

نوٹ: یہ مقالہ ۱۲ اپریل ۱۹۹۴ء کو ۱۰۵ کے زیر اہتمام اجتہاد کے موضوع پر منعقد سیمینار بمقام پٹنہ پڑھا گیا۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان و عمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان و عمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے۔ ○ ایمان و عمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۴۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

© rasailojaraid.com